ترجمانی کی (زبانی) روانی

گذشتہ شمارے میں احسانات وجذبات کی ترجمانی میں ترجمہ کی عام بات کی گئی تھی جو خاص بات تک پہنچ گئی تھی۔ یہاں کچھ اصل کی بات ہوجائے۔ بات جو بھی ہوتی ہے اصل کی ہی ہوتی ہے، اصلی ہوتی ہے۔ یہ اصل احساسات وجذبات کی ترجمانی ہوتی ہے۔ اس کے آگے بات کا ثبات نہیں رہتا۔ ویسے، اصل میں بات اس ترجمانی کا ایک ترجمہ ہی ہوتی ہے۔ بات کے آگے بے زبانی کا کام ہوتا ہے۔ کبھی کبھی اس محفل میں بھی جہاں دستور زباں بندی نہیں ہوتا، اور کسی (اقبالؔ کی) زبان کو ترسنا نہیں ہوتا وہاں ہونٹ سی لئے جاتے ہیں، یہ بے زبانی وہ تک کہہ جاتی ہے جو زبان کہہ نہیں پاتی یا کہنا نہیں چاہتی۔ یہ بے زبانی بھی بولتی زبان کی طرح اسی ترجمانی کے ترجمہ کا ایک پیرایہ ہوتی ہے۔ یہ تو اکثر زیادہ ہی کارگر اور کارآمد ہوجاتا ہے۔

بول اور بے بول دونوں کا مقصد اس ترجمانی کے آگے احساسات وجذبات کو دوسرے (دوسروں) تک پہنچانا ہوتا ہے۔ یہاں پر زبان کی ترسیلی قوت (پہنچنے پہنچانے کی سکت) کا رول ہوتا ہے۔ پھر سننے، نہ سننے، یا سن کر اَن سنی کر دینے کا حق سامنے والے کے نام محفوظ (All rights reserved) ہوتا ہے، ایسے میں خود اپنی زبان کا برتنا خاص ہوجاتا ہے۔ اگر بات پہنچنے کی صلاحیت سے خالی ہو، تو ایسی بات سے کیا حاصل وصول ہونے والا۔ یہ للو کوئی ایسی ویسی، سستی مدی چیز تو ہوتی نہیں۔ (یقین نہ آئے تو آج کے کرائے کے 'بُلکّڑوں' یعنی بول ٹٹوؤں سے، اس کی قیمت پوچھ کر دیکھئے۔) کسی بول کی بات نہ جانے پائے، اسی لئے تو زبان کے قواعد بنے ہیں۔ کم از کم عربی کے حوالہ سے ہمیں پتہ ہے کہ جناب امیرؑ کی نگرانی میں جناب ابوالاسود دوئلی نے نحو کی بنا رکھی۔ (جب کسی کی زبان کچھ غلط روش پر پکڑی گئی تھی۔) کچھ ایسی ترسیلی احتیاط میں قانون کی زبان اتنی ثقیل کر دی گئی کہ وکیل (جنہیں کوئی کہے شیطان کی اولاد، مگر ہم نہیں کہتے۔ ہم تو سمجھتے ہیں کہ شیطان کی نسل وکیل کی پیدائش سے پہلے کی ہے۔) ہی سمجھ سکے یا کم از کم اپنی سمجھ کا رعب جھاڑ سکے۔ قلم کی دنیا میں زبان کے برتنے میں ترسیل کے خاص لحاظ کی اہمیت اور اس راہ کی نزاکت اور بھی بڑھ جاتی ہے۔ یہاں مدد کرنے کو بے زبانی یا باڈی لینگویج (Body Language) بھی نہیں آنے کی۔ مذہبی ادب میں یہ لحاظ اور یہ ترسیلی احتیاط کچھ زیادہ ہی نازک (Critical) راہ پر پڑ جاتا ہے۔ قانون کی طرح مذہب کتابوں میں بند کرنے والی چیز نہیں ہوتا۔ مذہب صرف علمائے اعلام، فقیہان عظام اور مفتیان کرام کے دھول اٹی (یا بالکل صاف) میز پر قید تو نہیں کیا جاسکتا۔

اس ابلاغ وترسیل کی پہلی اکائی، لفظ ہی کو لیجئے۔ یوں تو اردو کے معنی ہی 'لشکر' ہوتے ہیں، اس میں ایک دو نہیں بلکہ کئی زبانوں کے الفاظ ہیں لیکن وہ سب گھل مل گئے، اردو کے رنگ میں پوری طرح رنگ گئے ہیں۔ اکثر الفاظ کے معنوں پر 'دانشورانہ ملکیت کا حق (Intellectual Property Right) اردو کے نام ہے۔ یعنی ان الفاظ کی اصل زبان کا پتہ لغت کے باہر نہیں چل سکتا۔ کوئی کسی لفظ کی اصلی زبان کا جتنا بڑا گھاگھ ماہر ہو، اپنی اس زباندانی کے برتے پر اس زبان کے کسی لفظ کو

'اصلی' معنوں میں استعمال کرے، تو وہ بہت بڑی ترسیلی آفت میں پڑسکتا ہے۔ دور کیوں جایئے 'احسان' کو قرآنی ارشاد کے تحت اردو میں والدین سے احسان کرنے کی بات زبان پر لاکر دیکھئے۔ ایسے ہی 'وہم' کو فکر کے معنوں یا تلاش کو کوشش کے معنوں میں استعمال کرنا کسی قیامت سے کم نہیں، ایسے الفاظ وہ ہیں جو چاہے باہر یا غیر ملک، سے لائے گئے ہوں مگر اب یہ پوری طرح 'ملکی ٹکسال' یا فیکٹری میں ڈھل کر 'اردو میں بنے ہوئے (Made in Urdu) کے لیبل کے قانونی مستحق ہو چکے ہیں۔ وہیں کچھ الفاظ 'کسٹم ڈیوٹی' ادا کرنے کے بعد برآمد (Import) کئے جاسکتے ہیں۔ ان میں کچھ ڈیوٹی فری بھی ہو سکتے ہیں۔ 'کمپیوٹر' ایسا ہی ہے جو کسٹم سے کلیر ہو چکا ہے۔ لیکن وہی پرسنل کمپیوٹر (PC)، لیپ ٹاپ، وغیرہ والا کمپیوٹر ہی۔ 'حساب کرنے والے' کے معنی میں کمپیوٹر آسانی سے قابل قبول نہیں ہے۔ ویسے دوسری زبانوں کے الفاظ فراخدلی کے ساتھ قبول کرنا کسی بھی زبان کی زندگی کا ثبوت ہوتا ہے۔ (اس فراخ دلی کے معنی کھلی چھوٹ نہیں ہوتی)۔

خود لفظ کی طرح اس کے محل استعمال کے بھی معنی ہوتے ہیں۔ ترکیب الفاظ (مرکب لفظیں)، جملہ کی ساخت، اصطلاحیں اور محاورے، ضرب المثل وغیرہ وغیرہ اپنی اپنی جگہ کام کر جاتے ہیں۔ بات بنا بھی دیتے ہیں، بات بگاڑ بھی دیتے ہیں۔ مشکل آسان بھی کرتے ہیں، مشکلیں کھڑی بھی کر دیتے ہیں ؎

جس کے رتبے ہیں سوا اس کو (سے) سوا مشکل ہے

آج سب سے بڑی اور سب سے بڑھی مشکل یہی آن پڑی ہے کہ زبان کی مشکل کا حل ڈھونڈنے کہاں جائیں۔ زبان کے مستند و مسلم استاد کی نوع صفحۂ ہستی سے ناپید ہو چکی ہے اب کسی کے دروازے (زبان کے مطب) پر ایسا بورڈ نہیں دکھائی دیتا ؎

مستند ہے میرا فرمایا ہوا

اب نہ کوئی میرؔ سا استاد غالبؔ ہے (اب سبھی بے بہرہ ہو چکے ہیں) نہ کسی سر میں اصلاح سخن کا سودا رہ گیا ہے، نہ کوئی ناسخ آتش فشاں ہے، نہ کوئی قابل رشک جلال رو مصلح زبان، ۔۔۔۔۔ نہ ہی اس جمہوری دور میں کوئی بالغ نظر چوکس ماحول (زبان کے الکشن میں ووٹ دینے کی بنیادی اہلیت رکھنے والا) جو بات بات، ادا ادا کی پکڑ کر سکے، زبان کی حفاظتی کونسل میں وٹو پاور رکھنے کی بات تو درکنار۔ اب زبان کے معیار و استناد کے لئے کسی ایک شہر علاقہ یا ملک کی جانب بھی نظر نہیں اٹھ سکتی ہے، اب زبان پر کسی بھی علاقہ یا کسی بھی سرکار کا اجارہ نہیں ہے۔ زبان کا دائرہ کار بین الاقوامی ہے اور 'خودمختار' آزاد۔ اس خودمختاری کا مطلب یہ نہیں ہر کس و ناکس زبان یا قلم چلانے والا زبان پر قبضہ جمالے۔ اس طرح ایک زبان کروڑوں، اربوں 'نجی زبانوں' میں تقسیم ہو جائے (ایک ملک کی تقسیم کے زخم سے ابھی زبان کی 'روح و جان' پر تازہ ہے جو بھرے نہیں جاسکتے۔)

آخر آخر زبان کے معیار و استناد کے لئے نظر 'عوام' میں مرکوز ہو جاتی ہے، عوام بھی وہ جو ایک زمانے کے بھی نہیں اور جو۔۔۔۔ مختلف علاقوں، الگ الگ تہذیبوں میں پل رہے ہیں۔ کام بڑا مہم جویانہ، کانٹوں بھرا ہے لیکن کوئی اور چارہ نہیں۔ زبان کی کسوٹی 'عوامی' ہی (عامی نہیں) ہو سکتی ہے اور بس۔ آگے دعائیں اور نیک خواہشات۔ (م۔ر۔عابد)